

مناپدار

(غزلوں اور نظمیں کا مجموعہ)

اسحاق ملک

© جملہ حقوق بحق محترمہ عارفہ بانو محفوظ۔

نام کتاب:	آباد
موضوع:	شاعری
سال اشاعت:	۶۱۹۹۳
تعداد:	(۵۰۰)
کتابت معہ سرورق:	زینت کیلی گرافک سنٹر، جدید ملک پیٹ حیدرآباد
طباعت:	دائرہ الکڑک پریس، چھتہ بازار حیدرآباد
ترتیب و ترتین:	ڈاکٹر یوسف ندیم
تقسیم کار:	شاہ محمد افتخار قادری الملتانی - نازیہ رفعت
قیمت:	30 روپے، سعودی عرب: 30 ریال، دیگر ممالک: 20 امریکی ڈالر
زیر اہتمام:	انجمن تعمیر ادب آندھرا پردیش اینڈ فرنیزس ریڈنگ روم، ۸۷۳-۱-۲۲ سلطان پورہ حیدرآباد ۵۰۰۰۲۴
لکھنے کے پتے:-	891.4391

● بمکان مصنف، ۸۷۳-۱-۲۲ سلطان پورہ حیدرآباد - ۲۴ ای پی

● حسامی بک ڈپو، چھلی کمان حیدرآباد - ۵۰۰۰۰۲

● یوسف بک اسٹال متصل شمس ہوٹل چادر گھاٹ حیدرآباد۔

● سلیم بک اسٹال عابد شاہ روبرو جنرل پوسٹ آفس حیدرآباد

● ماہ نامہ "شاداب" ۱۳-۵-۱۱ ریڈ ہلز حیدرآباد۔

● ظفر اقبال ظفر ۱۶۵، خیلدار فتح پور ۲۱۲۶۰۱ یو پی۔

● بتعاون جزوی اعانت: آردو اکیڈمی آندھرا پردیش۔ حیدرآباد

انتساب

انتہائی عقیدت و احترام کے ساتھ

محترمہ والدہ صاحبہ مرحومہ و مغفورہ
اور

محترم والد صاحب مرحوم و مغفور
کے نام



نہایت خلوص و محبت کے ساتھ
جناب محبوب حسین جگر جوائنٹ ایڈیٹر روزنامہ "سیاست"
حیدرآباد

جناب ہارون رشید علیگ ایڈیٹر ہفت روزہ "بلتر"
ممبئی

کے نام

اللّٰهُ رَبُّ الْعِزَّتِ کا ہزار صد ہزار بار شکر گزار ہوں کہ
اس نے رسول اللہ ﷺ کے صدقے آج یہ سعادت بخشی کہ میں اپنا
دوسرا مجموعہ کلام ’تابدار‘ منظر عام پہ لا رہا ہوں۔

اظہارِ تشکر!

پہلے مجموعہ کلام ’خوشگفتہ‘ (۱۹۸۲ء) کے بعد اب زیرِ نظر
اشاعت ”تابدار“ (۱۹۹۳ء) کے لیے جن کرم فرماؤں اور
شفقِ حضرات نے دامنِ درمے سخنے مجھ سے تعاون کیا نیز
ہندوپاک و بیرونِ ممالک کے معیاری ادینی رسائل، جرائد اور اخبارات
کے قابلِ احترام مدیران نے میرا کلام شائع کیا، میں اُن کا فرداً فرداً
شکر یہ ادا کرتا ہوں اور اُمید کرتا ہوں کہ مجھے اُن تمام بزرگوں اور
اجاب کا ہمہ قسمی تعاون آئندہ بھی حاصل رہے گا۔

اسحاق ملک

حضرت خمار بارہ بنکوی

غزل گو شاعر۔

میں نے اسحاق ملک صاحب کا کلام بار بار سنا ہے اور ان کے شعروں سے خاطر خواہ لطف اندوز ہوا ہوں۔ موصوف میں ایک اچھے غزل گو شاعر کی پوری صلاحیتیں ہیں۔ اس لیے ان کی لگن، خلوص اور محنت پر مجھے یقین ہے کہ شاعری میں اپنے نام کو ہمیشہ اونچا رکھیں گے۔ ان کا پہلا مجموعہ کلام ”تو شگفتہ“ ہے جس کے مطالعہ کے بعد میں نے اپنی رائے کا اظہار کیا تھا اب جبکہ میں اسحاق ملک کا دوسرا مجموعہ کلام ”تابدار“ دیکھ رہا ہوں تو مجھ کو بڑی خوشی ہو رہی ہے کہ اسحاق ملک نے اپنی محنت و لگن کو برقرار رکھا ہے علاوہ ازیں باذوق حضرات نے ان کی ہمت افزائی فرمائی ہے اس طرح اسحاق ملک نے ادب کی دنیا میں ایک منفرد مقام حاصل کر لیا ہے۔

اسحاق ملک شاعر ہی نہیں، محنت کی آبرو ہیں

اسحاق ملک، آندھرا پردیش گورنمنٹ پریس کا مزدور ہے۔ پرنٹنگ کا ڈپلہ مارکھتا ہے اور ۵۰ سال کے اوپر عمر ہوگی۔ شاعری ورثے میں ملی۔ گھر میں شعر کا چرچا تھا، اسی لیے کم عمری ہی سے شعر کہنا شروع کیا۔

ان کا پہلا مجموعہ ”نوشگفتہ“ ۱۹۸۲ء میں چھپ چکا ہے۔ روایتی شاعری کے ماحول میں اسحاق ملک نے شعر کہنا شروع کیا۔ لیکن اردو شاعری سننے والوں کا دماغ اتنا خراب کر دیا ہے کہ نہ تو وہ روایات سے کسی بڑے انحراف کو گوارا کرتے ہیں اور نہ ہی وہ روایت میں جکڑی ہوئی ایسی شاعری کو برداشت کرتے ہیں جس میں اقتضائے عصری کی صدائے بازگشت نہ ملے۔

اسحاق ملک کی شاعری سے یہ صاف ہو جاتا ہے کہ وہ ایک طرف روایت کی پابندی کا منکر نہیں ہے اور دوسری طرف اس پر زندگی بھر پور طاقت سے یلغار کرتی ہے۔

مزدور ہونے کے ناطے انفرادی اور اجتماعی محرومیوں اور کشمکش حیات کی مصروفیتوں کو اپنا رنگ شاعری میں اظہارِ خیال کیا۔

لیکن اسحاق ملک یہاں رُک نہیں جاتا اور سفر کی لذت سے واقف ہے۔ شاعری کا ذوقِ سفر ہی تو محنت کش کی زندگی کا راز ہے جو اس کے حوصلے بڑھاتا ہے اور اسحاق ملک کے کلام میں یہ اقصائے عنصر ہی اس کے کلام کو ایک حرفِ روایت جسے جوڑے رکھے ہوئے ہیں دوسری طرف اسے اپنے سنے والوں سے بھی وابستہ کرتا ہے۔ اسحاق ملک مزدور ہے، شاعر ہے، ٹریڈ یونین لیڈر ہے اور کئی ادبی اداروں سے وابستہ ہے۔ وہ شاعر ہی نہیں، محنت کی آبرو ہے۔

ڈاکٹر راہی قریشی

صدر شعبہ اردو گلبرگہ یونیورسٹی
گلبرگہ - کرناٹک -

جناب اسحاق ملک، حیدرآباد فرخزہ بنیاد کی دیرسہ و روشن
شعری روایات کے امین ہیں۔ زندگی اور زمانے کی ساری امانتیں
انھوں نے صفحہ قرطاس پر محفوظ کر دی ہیں۔ اس سرمایہ سخن میں
احاسنِ محمدی تو ہے لیکن خوگہ رنج ہو کہ رنج پر غالب آنے کا
عزم بھی موجود ہے۔

جناب اسحاق ملک کی شاعری ان کی سادگی طبع کی آئینہ دار
اور ان کی سخت کوشی کی ترجمان بھی ہے۔ اسی جہد و کادش نے ان پر
یہ بات روشن کی ہے کہ ع

”جگہ خوں ہو تو چشمِ دل میں ہوتی ہے نظر پیدا“

مجھے یقین ہے کہ اُن کا عزم و استقلال، ان کے کلام کو مزید
تنوع بخشنے گا۔ وہ ایک سنجیدہ، مستین اور نرم گفتار فن کار ہیں اور
اُن کی شاعری ے

از ما پُرس درِ دل ما، کہ یک زمان

خود را بہ حیلہ پیش تو خاموش کردہ ایم

کی تفسیر ہے۔

کچھ شاعر کے بارے میں...

اُردو زبان کے پہلے صاحبِ دیوان شاعر محمد قلی قطب شاہ کے بسائے ہوئے شہر حیدرآباد نے بے شمار قابلِ قدر ادیب و شاعر پیدا کئے جنہوں نے اُردو ادب کا نام کوہِ نور بن کر روشن کیا۔ اسی شہر میں اُردو ادب کے ایک جلنے ملنے شاعر اسحاق بیک نے ۹ اپریل ۱۹۲۳ء کو جنم لیا۔ سلسلہ نسب حضرت سید شاہ محمد ملتانی قادریؒ "بیدر شریف" ضلع کرناٹک سے جا ملتا ہے جو ان کے جدِ امجد تھے۔ والد محترم کا نام سید شاہ محمد ابراہیم قادری (مرحوم) تھا جو ایک گوشہ نشین بزرگ و شاعر گزرے ہیں۔ اسحاق بیک اپنے قلمی نام سے ہی جانے پہچانے جاتے ہیں، اصلی نام شاہ محمد اسحاق قادری الملکانی ہے۔ شاعری درختے میں پئی۔ ان کی "رنجان مرغِ فطرت"، "سادہ مزاجی اور سخت محنت و لگن" نے ۳۰، ۳۵ برسوں میں چمنستانِ شاعری کو آبیار کر کے ہندوپاک میں انہیں مقبول کر دیا۔

آپ حیدرآباد کے ممتاز استادِ سخن جناب حمید رونق کے ارشد

تلاذہ میں ہیں۔ ان کا ایک مجموعہ ”کلام“ ”فوشگفتہ“ کے نام سے ۱۹۸۲ء میں شائع ہو چکا ہے اور دوسرا مجموعہ ”کلام“ ”مبادار“ آپ کے زیرِ نگاہ ہے۔ موصوف ایک ادبی انجمن ”تعمیر ادب“ آندھرا پردیش و ریڈنگ روم کے سکریٹری بھی ہیں اور گورنمنٹ پریس چھپائی گورڈہ حیدرآباد میں اپنی ملازمت کے ۲۵ سال مکمل کر رہے ہیں۔ نمایاں خصوصیت کے اعتبار سے ان کی ایک

معیاری نظم ”نقیبِ زمانہ“ کو ماہ نامہ ”شاعر“ بمبئی نے اپنے ضخیم رسالہ ”غالب نمبر“ میں ہندوپاک میں غالب صدی کے موقع پر شائع کیا۔ ادبی ایوارڈز، ۱۹۷۴ء میں ماہنامہ ”روپی“ دہلی، ۱۹۸۱ء میں ماہنامہ ”نگار“ دہلی، ۱۹۸۷ء میں پاشاہ اردو لائبریری مظفر نگر اتر پردیش اور ۱۹۸۹ء میں ”بزمِ معیار ادب“ بمبئی سے ملے۔

لاس اینجلس (امریکہ) سے ہفتہ وار شائع ہونے والے رسالہ ”پاکستان لنک“ (اردو انگریزی) میں اسحاق ملک کا کلام شائع ہوتا رہتا ہے۔ آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد، بنگلور، دہلی، بمبئی کے علاوہ دور درشن سے بھی ان کا کلام نشر ہوتا ہے۔

مفکر و دانشور جناب شہرت اللہ خاں
اور

شاعر سلام مچھلی شہری

پاکستان کراچی سے ایک خط اسحاق ملک کے نام

اسحاق ملک صاحب، عرض ہے کہ ناچیز سے آپ واقف نہیں ہیں لیکن میرے اور آپ کے درمیان، آپ کے باکمال کلام کی معرفت غائبانہ تعارف ہے یعنی میں نے یہ شرف حاصل کیا ہے کہ آپ کا پہلا مجموعہ 'نوشگفتہ' میرے ہاتھوں سے گزرا ہے۔ الحمد للہ بڑے طویل عرصہ کے بعد بھارت کے کسی نوجوان شاعر کو میری روح نے تسلیم کیا ہے میں حالانکہ بھارت کا ہی رہنے والا ہوں لیکن ملک کا تقسیم کے بعد یہاں آ گیا تھا۔ یہاں پر میں نے ایک اردو کے رسالے میں آپ کی غزل پڑھی تھی۔ اس کے بعد میں نے پاکستان اردو اکادمی کراچی سے خط و کتابت کی کہ محترم ملک صاحب کا پتہ اور ان کے دیوان یا اگر کوئی مجموعہ شائع ہوا ہو تو برائے مہربانی بتائیں۔ خدا کا کرم دیکھئے وہاں سے جواب یہ آیا کہ بمبئی سے شائع شدہ پرچہ کا ذکر انھوں نے کیا اور ساتھ ہی یہ بھی تحریر کیا کہ ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد سے براہ کرم خط و کتابت کریں۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر صاحبہ

سے میں نے خط و کتابت کی کیوں کہ میں ان کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب نے آپ کا کلام ”نوشگفتہ“ کا ایک نسخہ براہ کرم آپ کے پتے پر پاکستان بھجوایا اور آج ہی میں نے اُسی پتے کے ذریعہ سے آپ کو یہ خط لکھ رہا ہوں۔

بھائی ملک صاحب، خدا کی قسم آپ نے کمال کر دیا بس لگتا ہے کہ آپ کی ولادت کے لیے اردو شاعری ایک عرصہ سے منتظر تھی۔ کیا رنگ ہے آپ کا، روزمرہ کی باتوں کو آپ نے الفاظ کے سانچے میں ایسا ڈھال دیا ہے کہ بس مت پوچھو، سارے پاکستان کے شاعر محترم سلام چھلی شہری بھی ایک دن میرے مکان تشریف فرما تھے۔ میں نے آپ کی کتاب ”نوشگفتہ“ دکھائی بس یہ سمجھو کہ وہ جھوم جھوم گئے اور آپ کی تصویر کو دیکھ کر بولے کہ نوجوانی میں یہ حال ہے تو آگے کیا ہوگا۔

محترم سلام چھلی شہری صاحب بے ساختہ بول پڑے کہ ایک دن یہ نوجوان اردو ادب میں آفتاب کی طرح روشن ہوگا (آمین) چوں کہ اب آپ سے تعلقات ہو ہی گئے ہیں۔ آپ کی تازہ تخلیقات ارسال کریں۔ میں آپ کا شکریہ گزار رہوں گا۔ ساتھ ہی ایک عدد فوٹو بھی بھجوائیئے۔

جناب ایس۔ یو۔ خاں، ادب نواز
 علی غول مکان نمبر ۱/۹۵ جھانسی، اتر پردیش

اکثر ہندو پاک رسائل و اخبارات میں اسحاق ملک کا کلام پڑھتا رہتا ہوں۔ ان کا پہلا مجموعہ کلام ”نوشگفتہ“ بھی زیر مطالعہ رہا۔ اور حال ہی میں ان کی تصویر کے ساتھ ”اخبارِ نوجوان“ نئی دہلی میں بھی کلام پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔

ہم نے اپنے یہاں کے لوگوں کو خاص طور سے کچھ شاعر دوستوں کو دکھایا۔ سب حضرات نے داد دی ہے بلکہ ایک شاعر نے یہاں تک کہا کہ ادب کے ذریعہ انسان کا نام طویل عرصہ کے لئے زندہ رہتا ہے جبکہ اولاد سے انسان کا نام دس بیس برس تک ہی زندہ رہتا ہے اور ایک شعر اسحاق ملک صاحب کے کلام کی تعریف میں پڑھا اور مجھ کو تاکید کی کہ مبارک باد کے ساتھ یہ شعر ان تک بھیج دوں ویسے یہ شعر حضرت ذوق دہلوی کا ہے ۵

رہتا سخن سے نام ہے لے ذوق تا ابد
 اولاد سے تو ہے یہی دو چار دس برس

سید منظور احمد قاسمی

سکرٹری اڑیسہ اُردو اکاڈمی

بھوبنیشور - ۱۲

ماشاء اللہ آپ تو اُردو دنیا کے جانے پہچانے شاعر ہیں
اور پھر کثیر گو شاعر۔ آپ کی ذات سے کون واقف نہیں۔
اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ (آمین)

فرید پاشاہ آزار ممتاز صحافی

منظف نگر اتر پردیش۔

”علامہ اقبال نے قطرہ قطرہ سے دریا بنایا مگر اسحاق ملک نے
دریا کو اپنی شاعری کے ذریعہ کوزے میں بند کر دیا۔ مجھے اس کا
اعتراف ہے“

منظر محمود آبادی، اتر پردیش

سبحان اللہ! کیا انداز بیان ہے اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔
غزلیات انتہائی مرجع اور مبیع ہیں۔ کلام میں بلا کی پختگی اور —
جاذبیت ہے ماشاء اللہ۔

جناب شاذ تمکنت
(مرحوم)

اسحاق ملک

خوب سے خوب تر کی تلاش

اسحاق ملک ایک پُر خلوص مرخان مرچ اور سادہ طبع
نوجوان شاعر ہیں، ان کا یہ پہلا شاعری مجموعہ جس میں نظمیں بھی ہیں اور
غزلیں بھی، ایک عہد و پیمان کی مثال ہیں۔ شاعر کا یہ عہد و پیمان اپنے
قارئین سے ہے جنہیں خوب سے خوب تر کی تلاش رہی ہے۔
عہد و پیمان سے ایسا عہد ملک کی منزل سخت دشوار گزار راستوں
کا سفر ہے۔ مجھے اسحاق ملک کی لگن، خلوص، باطنی اور انہماک سے
توقع ہے کہ وہ یہ سفر تیزی کے ساتھ مگر خوش گامی کو پیش نظر
رکھتے ہوئے طے کریں گے۔

ترتیب

۱۷ ————— نعت شریف

۲۱ ————— غزلیں

۸۱ ————— نظمیں



جان و دل ، چین اور قرار تھی
آپ کے نام پر نثار نئی

آپ کے اُمتی ہیں یہ بس ہے
اور کیا چاہیے وقار نئی

اب تو اللہ ایک چشمِ کرم
دل پہ صد تے ہیں بے شمار نئی

مومن و معتبر وہ کہلائے
جس کا ایمان و اعتبار نئی

ہم غلام و فقیر و بے آبتہ
آپ آقا و تاجدار نئی

روضہ پاک پر ملک پہنچے
اُس گھڑی کا ہے انتظار نئی



سرفرازی کا ثمر بڑھ کے اٹھالوں تو چلوں
روضہ پاک پہ سراپنا جھکالوں تو چلوں

یونہی چلتا نہیں اے دوست مجھے سوے وطن
خاکِ طیبہ مری پلکوں پہ سجالوں تو چلوں

روزِ محشر یہ شفاعت کی ضمانت ہوگا
روے سرکار کو آنکھوں میں بسالوں تو چلوں

بہتے ہیں چلو کعبہ ایماں کی طرف
ن بیٹھے ہوئے بت اپنے گرا لوں تو چلوں

تو نے کل عالم پہ درِ بسم اللہ
سے اقسار کا سبق غارِ حرا لوں تو چلوں

پاک پہ ہو جائے گا یہ جی ہلکا
آقا میں ذرا اشک بہا لوں تو چلوں

فرشتو! مجھے دو نامہ اعمالِ ملک
پہ تجویزِ نبی کیا ہے لکھا لوں تو چلوں



نکھرے ہوئے گلشن میں ملاقات ہوئی تھی
 پیٹتے ہوئے صحرا میں تجھے ڈھونڈ رہا ہوں



دونوں میں اک سبب ہے یہی امتیاز کا
تم ہو سراپا ناز، میں بندہ نیاز کا

آواز ہے کہ لے کا سہارا لیے ہوئے
اک ایک بول ہے کہ تڑپتا ہے ساز کا

فکرِ بشر کہاں سے کہاں تک پہنچ گئی!
پردہ اٹھا نہیں ابھی ہستی کے راز کا

اسرارِ بندگی نہ کھلیں جس نماز سے
قائل نہیں ہوں میں کبھی ایسی نماز کا

یہ چھاؤں ٹھنڈی ٹھنڈی یہ پر کیف رات دن
سایہ ہے میری زیت پہ زلفِ دراز کا

دامنِ بجا کے چلیے یہ دشوار ہے بہت
ماحول توڑ جوڑ کا ہے، سازِ باز کا

اب کس طرح نلکتے نہ سنبھل کر چلیں گے ہم
دیکھا ہے ہم نے دورِ نشیب و فراز کا

ظرفِ انساں جو کسی حال میں اونچا ہوگا
ایک تینکے کا بھی احساس نہ ہلکا ہوگا

میں سمندر کی تہیں توڑ کے ٹکڑوں کا مگر
میرے آگے تو وہی پیاس کا دریا ہوگا

یوں کھلے عام جو تعریف کے پیل باندھوگے
ستے داموں مری پہچان کا سودا ہوگا

بدعی کون ہے اس جذبہ نازک کے لیے
غم اٹھالے گا اگر دل میں سلیقہ ہوگا

دل تو جل بھن گیا اس بات کو مدت گزری
اس دبی راکھ میں شاید کہ شرارا ہوگا

ہو کے ویراں جو کسی طرح نہ بسنے پائے
تم نے اس شہر کو شاید نہیں دیکھا ہوگا

ان سے مل کر بھی مملکت ہم سے بھری محفل میں
مدعا عرض، نہ اظہارِ تمنا ہوگا

ساقی کی جب نگاہ یہ ایمان لاؤں گا
پینے کو چھوڑ چھاڑ فقط لڑکھڑاؤں گا

جس کا رواں میں گرمی ذوقِ سفر نہ ہو
اس کا رواں کی گرد سے دامن بچاؤں گا

تیری طرف سے پاؤں اگر اذنِ زندگی
تیرے بغیر بھی تجھے جی کر بتاؤں گا

اندازہ ہو گا ان کی جوانی کا کچھ انہیں
ان کو جو ان کے سامنے لا کر دکھاؤں گا

دیکھوں گا مَنہ شکست تمنا گر کبھی
دُنیا کے اعتبار کو ٹھوکر لگاؤں گا

جو میرے دردِ دل کا عداوانہ بن سکیں
اُن مسکراہٹوں سے نگاہیں چمکائیں گا

اللہ گر بیک مجھے توفیقِ نیک دے
ٹوٹے دلوں کا آسرا بن کر دکھاؤں گا



حَبْلُوۃٔ رُخ کی دعوت دینا
میری نظر کی قیمت دینا

کاسۂ عصیاں کیسے اٹھاؤں
صدقۂ شانِ رحمت دینا

ٹھہیر ذرا اُس کے آنے تک
عمرِ رواں ! دھوکا مت دینا

رزق تو ہر گھر میں بٹا ہے
ہاتھ میں لیکن برکت دینا

آپ نہ کرنا کوئی تکلف
آپ مجھے ہر رحمت دینا

مجھ کو نہ دینا خُفتہ امارت
جاگتی جیتی غربت دینا

غم سارے تسلیم الہی !
غم سہنے کی طاقت دینا

بس یہ دُعا ہے رب سے بِلک کے
علم کو ہوش و حکمت دینا



کسی بندھن کو نہ دُنیا کے مقابل باندھا
روح رشتے میں بندھی آپ سے جیل باندھا

وعدہ ہمسفری آپ سے ایفانہ ہوا
ہم نے سامان سفر اسنا نہ مشکل باندھا

فکر و احساس پہ سیادگی چھ چیل نہ سکی
دست و پیر پر مرے زنجیر و سلاسل باندھا

دور بیٹھے تو ہیں پر اُن کی نگاہوں میں تو ہیں !
یہ تصور سمجھی ہم نے سرِ محفل باندھا

آزمائش ہی جو منظور تھی شاعر کی ملک
ان ردیفوں میں خیالات کا حاصل باندھا



بہم کا رقص دیکھ کے دل دل نہیں رہا
قاتل کی ہے تلاش مگر مل نہیں رہا

یا انقلاب وقت نے بدلی تری نظر
یا میں ہی تیری دید کے قابل نہیں رہا

کچھ قافلے کا ہوش، نہ رہبر کی جستجو
ذوقِ سفر رہا، غم منزل نہیں رہا

ہر روز ذبح ہوتے ہیں کتنے ہی سادہ دل
قاتل بھی تیرے دور میں قاتل نہیں رہا

وہ آب و تاب صحبت احباب لٹ گئی
اب اعتبارِ گرمی محفل نہیں رہا !

پوچھا نلک ہے آدمی کیا؟ تو یہ کہا
دیوانہ آدمی کسی قصاب نہیں رہا !



آئی تہ جب بھی سامنے آیا
میری نظر نے دھوکا کھایا

شعلے بھڑکے گلشن گلشن
جب آنچل ان کا لہرایا

تاباں تاباں اُن کا مکھڑا
ماہِ کامل بھی شرمایا !

آگے آگے شمع محبت
تیچھے تیچھے غم کا سایا

ہے یہ مِلکتِ انجامِ محبت
خود کو کھو کر اُن کو پایا



اس قدر صبر و تحمل آپ دکھلائیں گے کیا
میرے ذوقِ غم کی حد سے بھی گزر جائیں گے کیا

سب ادھورا ہے ابھی کارِ درازِ زندگی
سوچنا کچھ بھی نہیں اب سوچ کر پائیں گے کیا

آج کل میرے پڑوسی مجھ سے کچھ ناراض ہیں
توڑنے شیشے کا گھر، پتھر وہ برسائیں گے کیا

کچھ بھی زادِ راہ ہنگامِ سفر ہو تو کہیں
یہ مسافر جائیں گے پر ساتھ لے جائیں گے کیا

پر گئیں جس خط کو پڑھ کر جسم و جاں میں لرز شیں
اے ملکِ اُس خط کا مضمون آپ دہرائیں گے کیا



کہاں جائیں ہم ، وقت کیا آگیا
نیا موڑ ، رستہ نیا آگیا

صدائیں کئی بند ہونے لگیں
کہاں سے یہ اک بے نوا آگیا

مسیحا بھی ہونے لگے دم بخود
یہ کون آج نبض آشنا آگیا

جسے آپ کی دید کا دن کہیں
وہ دن آج پھر مرجھا آگیا

نہ تھا ابن آدم کو دھڑکا مگر
سوال فنا و بقا آگیا

چراغوں سے کیا گفتگو چھڑنے
کوئی ٹمٹماتا دیا آگیا

غم زندگی کون سہتا ملک
مجھے کم سے کم حوصلہ آگیا



پسیری میں ڈھل رہی ہے جوانی پرت پرت
دھنسنے کو ہیں حدودِ مکانی پرت پرت

یہ عشق لازوال سمجھنا محساں ہے
لاکھوں خیال، ایک کہانی پرت پرت

تاثیر کا پتہ ہی نہیں کچھ بھی تہہ بہ تہہ
مکڑوہ ہے یہ جوشِ بیانی پرت پرت

آنکھوں میں اشکِ غم جو مچلتے ہیں دیکھیے
اُبھرا ہے کھول کھول کے پانی پرت پرت

دانش کہیں کمند نہ پھینکے جنون پر
زمینوں کی تڑک نہ جائے روانی پرت پرت

ٹیسیں اٹھیں گی چرخ کی صورت میں ایک دن
ناسور ہے یہ زخمِ نہانی پرت پرت

دل کے ورقِ ورق کو کھنگالا گیا ملک
تب آنی مشعر میں یہ روانی پرت پرت



اے نا سمجھ کبھی تو ٹھکانے کی بات کر
پہلے مجھے سمجھ کے زمانے کی بات کر

اب وہ سرور و کیفِ درو بامِ غم نہیں
ایوانِ غم کو پھر سے سجانے کی بات کر

پتھر سمیٹ جتنے ملیں دور دور تک
شیشے کے گھر کو اپنے بچانے کی بات کر

جیسے کا ایک اصول ہے چل جس پہ عمر بھر
اپنا نہ میری، سارے زمانے کی بات کر

اس بزم بے حسی میں نہ کر رازِ دل عیاں
دلچسپ و پُر مزاح فسانے کی بات کر

بے رہروی کا تجھ پہ ہے الزام راہبر!
بھٹکے ہوؤں کو راہ پہ لانے کی بات کر

جب ہے نیازِ مستِ محبت بنا ہوا
اس مہِ جبیں کے ناز اٹھانے کی بات کر

زاہد! ہر اختیار سے باہر ہے میکشی
مستوں سے تو نہ ہوش میں آنے کی بات کر

تسکینِ اضطراب کا مشتاق ہے ملک
ظالم کبھی نہ چھوڑ کے جلنے کی بات کر



ملتی نہیں اک رند سے ساقی کی نظر تک
رہتا ہے مگر دور میں پیما نہ سحر تک

سب کچھ یہ قدرت سے پہنچا ہے بشر تک
جو تخم لگائے وہی کھائے نہ ثمر تک

سہمے ہوئے کچھ لوگ ہیں کشتی کے محافظ
موجوں میں تلاطم نہیں، پانی نہیں سر تک

رہ رہ کے گھاٹوپ اندھیر نہ ڈراؤ
جلتے ہوئے داغوں کا اجالا ہے نظر تک

ملتی ہیں یہاں بے خودی و ہوش کی راہیں
ہر منزل ہستی ہے تری راہ گزر تک

اتنا ہے ملک ظرف فروشوں کا تصرف
اس دور میں بدنام ہیں ارباب ہنر تک



مرے سازِ دل کا لہجہ نہیں نغمگی میں شامل
کئی غم کی چھلکیاں ہیں میری ہر خوشی میں شامل

میں ہوں اک حقیر بندہ ، مرا کیا مقام سجدہ
یہ ترا کرم کہ ہوں میں تری بندگی میں شامل

میری زندگی کے ہر نل میں شریک تھا زمانہ
ہوئے تم ہر ایک سرفراز سے میری زندگی میں شامل

کبھی شہر کے مہرِ رخ جو لکھیں کتاب ہستی
میری معتبرِ رکوش کو کریں ہر صدی میں شامل

تجھے رنگ و بو ہے حاصل تو کبھی نہ پھول اترتا
ہے فنا کا بھی تو پہلو تری دلکشی میں شامل

میری مے میں کس لیے ہے یہ سیاست زمانہ
نہ میں دوستی میں شامل نہ میں دشمنی میں شامل

جنہیں میں ملک جہاں میں شب و روز دیکھتا ہوں
وہ تمام تجربے ہیں میری شاعری میں شامل



کب سے بیٹھا ہوں میں مَلُول
تیرا کرم اور اتنی بھُول

ایک نہ ہوں گے عمر تمام
تیری طبیعت، میرے اصول

صبح بھی ہوگی یا کہ نہیں
اے شبِ ہجران اتنا طول

جو بھی یدِ قدرت سے ملے
پھُول نہیں کانٹے بھی بُول

آپ کو شاید دل ہی نہیں
آپ سے دل کی بات فضول

کون بھلا کس کے کام آئے
سب مصروف و سب مشغول

سایہ گل ہے سر یہ مَلَاکَت
پاؤں تلے ہے مَحَارِ بُول



کیا دُنیا اے دل آرام
تیرے نام سے مجھ کو کام

حُسنِ عمل سے ہوگا بشر
خوش اوقات و خوش انجام

وجہِ سکون و راحت ہے
تیری نظر کا ایک پیام

مست خرام اب تو آ جا
دن کا دُکھ پی لے گی شام

غم سہ لوں گا تیرے لیے
تکیرا سکوں میرا آرام

دل کی ہے یہ کڑوٹ کیسی؟
درد نہیں پابندِ مقام

پاس و لحاظِ جلوہ کہاں
تجھ پہ نگاہِ خاص و عام

شاہ کا رتبہ پوچھتے ہیں
پچھلے کئی وقتوں کے غلام

موج کریں کم ظرفِ مملکت
خوب ہے میخانے کا نظام



بڑی ترتیب سے محفل سجانا جانتے ہیں ہم
کہاں کس کو بٹھانا ہے بٹھانا جانتے ہیں ہم

ملاقاتوں پہ پابندی سہی حالات کے ڈر سے
کم از کم آپ کے خوابوں میں آنا جانتے ہیں ہم

تمہارے دل دکھانے کی کبھی پروا نہیں کرتے
بہر صورت تمہارے ناز اٹھانا جانتے ہیں ہم

شکستہ دل کو اپنے جوڑنا اب تک نہیں آیا
ہر اک شیشے سے آئینہ بنانا جانتے ہیں ہم

غورِ حسن کا ایک دن اُتر جائے گا خود پارہ
محبت کے کئی جادو جگانا جانتے ہیں ہم

ملک ہو گا بھلا کیسے نہ چہرہ خوشگوار اس کا
وہ جس کے عکسِ رُخ کو بھی سہانا جانتے ہیں ہم



نکلوں جس راہ سے اسے دوست نہ ڈر کر نکلوں
تیرے کوچے سے تو سہا ہوا اکثر نکلوں!

پیروی اہل سفر میں نے تمہاری کی تھی!
نقشِ پامٹ گئے اب کیسے سفر پر نکلوں

آج تک مجھ کو نہیں ہوش زیں والوں کا
فائدہ کیا جو میں سوئے مہ و اختر نکلوں

اے ہوس! تو نے مری روح کو آزار دیا
فکر یہ ہے کہ ترے دام سے کیوں کر نکلوں

اس کی محفل میں ہے بیگانہ روی کا عالم
اب سکوں ڈھونڈنے کس جا دل مضطر نکلوں

راستہ کوئی ہو چلنے کا نہیں ہر رستہ
تیرے رستے پر نگر موت سے لڑ کر نکلوں

اے ملک ساتھ دیا میرا سخن فہموں نے
بھگ کو منظور نہ تھا بن کے سخنور نکلوں



ہر دور میں، ہر حال ترے ساتھ رہا ہوں
بیہجان مجھے زندگی میں کون ہوں کیسا ہوں

ناکردہ گناہوں کی سزا جھیل رہا ہوں
اے دوست میں اس دور کی معصوم خطا ہوں

نکھرے ہوئے گلشن میں ملاقات ہوئی تھی
تپتے ہوئے صحرا میں تجھے ڈھونڈ رہا ہوں

آواز آگے دوں بھی تو سنا نہیں کوئی
میں ایک بھرے شہر میں صحرا کی صدا ہوں

کیا یہ مرے احساسِ محبت کا صلہ ہے
کچھ تیری محبت میں کمی دیکھ رہا ہوں

چینچوں تو کسی کو بھی سنائی نہیں دیتا
بھٹکے ہوئے میں ایک مسافر کی صدا ہوں

نکھرا ہوا ملتا ہے ملک میرا تخیل
ہر رنگ میں ڈھل کر میں نیا رنگ بنا ہوں

کیا ہوش زندگی کا ہوں مست بے خودی میں
کچھ بھی نہیں ہے مجھ میں سب کچھ ہے آپ ہی میں

یہ آرزو ہے ان کا ہو جاؤں جان و دل سے
ہرگز نہ فرق آئے میری سپردگی میں

اپنے لیے نکالے بخشش کا کوئی رستہ
یہ جستجو تو ہوگی لیکن کسی کسی میں

اے راسخ العقیدہ بڑھ کر انھیں اٹھالے
مگھائے آرزو ہیں ہر دامن ولی میں

اللہ تک رسائی مشکل ہے آدمی کی
جب تک مزے نہ کوٹے بندے کی بندگی میں

یہ اس کا ہے دوانہ ، وہ اس کا ہے دوانہ
مسلک جدا جدا ہے ایمانِ عاشقی میں

کس کو ملک ہے آخر نازِ خدا شناسی
انسان ہو مکمل پہلے خود آگہی میں



دل وہ کیا دل جو ترے پیار سے معمور نہیں
کون ہے جس کو یہ دیوانگی منظور نہیں

لذت دید جھلکتی ہے مری آنکھوں سے
میں ہوں مخمور فقط بادہ تو مخمور نہیں

دل میں، آنکھوں میں ہر اک شے میں ہے جلوہ اس کا
دیکھنے والے! یہ نظارہ سر طور نہیں

لے چلے خود کو تعین کی حدوں سے باہر
ایسا حق گو نہیں، ایسا کوئی منصور نہیں

وہ مرے سامنے آجائیں پشیمان ہو کر
اے محبت! یہ ندامت مجھے منظور نہیں

کشمکشِ فرقتِ پیہم کی بڑھے اور بڑھے
وصلِ جاناں کی تو شب آئے گی کچھ دور نہیں

ہر بشر آج نلک اپنی طلب میں گم ہے
ایسا کوئی ہے جو حالات میں محصور نہیں

گلہ کروں بھی تو بے سود فائدہ ہی نہیں
تمام حبس کا ماحول ہے فضا ہی نہیں

جگہ جگہ سے ہے یہ گھوکھلا جگر میرا
مہکتے زخم میں بو باس کا پتہ ہی نہیں

یہ راستہ مجھے جانے کہاں پہ لے جائے
سفر طویل بہت اور نقش پا ہی نہیں

مری حیات اُجالوں کو رہ گئی پیاسی
اندھیرا کوئی دلیلِ سحر بنا ہی نہیں

یہ دل ہے شیشہ نازک نہ توڑیئے اس کو
پرے ہٹائیئے صاحب جو آپ کا ہی نہیں

نظر میں اس کا وجود اس قدر اُتر آیا
کہیں کہیں تو مجھے خود مرا پتہ ہی نہیں

ملک بہ جبر مجھے کوٹنا پڑا واپس
فصیلِ شہر سے جھانکا تو شہر تھا ہی نہیں

چلو تیز دشتِ جنوں کی ہواؤ
مری راہ میں اور کانٹے بچھاؤ

ہر آنسو کے قطرے کی عزت بچاؤ
ستارو! دم صبح یوں مسکراؤ

مجھے چاند تاروں سے مطلب نہیں ہے
مری خلوتِ دل میں شمعیں جلاؤ

ابھی بجلیوں کی تڑپ کو مٹا دوں
ذرا آمشیا نے کے تنکے اٹھاؤ

مری بے نیازی سے و کام یں
مری بے نیازی کے آئے نہ آؤ

ابھی دھڑکنیں تیز ہیں میرے دل کی
ابھی میری نظروں سے نظریں ملاؤ

زمانہ بھی رفتار اپنی بدل دے
مدارِ محبت پہ یوں گھوم جاؤ

ملکِ زندگی رہنے والی نہیں ہے
ذرا زندگی کے قریب اور آؤ



مست بہاروں کی آگئی آؤ
ہے تمہاری بڑی کمی آؤ

ظلمتوں میں گھرا ہوا ہوں میں
آؤ پھر لے کے روشنی آؤ

کچھ تو کم ہو عذابِ تنہائی
دو گھڑی کے لیے سہی آؤ

مجھ کو سمجھاؤ زندگی کیا ہے
بن کے تم جہاں زندگی آؤ



آئی تہ جب بھی سامنے آیا
میری نظر نے دھوکا کھایا

شعلے بھڑکے گلشن گلشن
جب آنچل ان کا لہرایا

تاباں تاباں اُن کا مکھڑا
ماہِ کامل بھی شرمایا !

آگے آگے شمع محبت
تیچھے تیچھے غم کا سایا

ہے یہ ملک انجامِ محبت
خود کو کھو کر اُن کو پایا



جہاں حسن کے اک پیکر مکمل ہو
تمہی ہمارے ہو آخر تمہی تو اول ہو

وہ وقت آئے چمن کی فضا بدل جائے
خزاں کی لوٹ سے کوئی کلی نہ بے گل ہو

بہت بھلے ہیں جوابات آپ کے لیکن
ہمارے دل کے سوالات کا کوئی حل ہو

دل و نگاہ میں ہے سیل اشک کچھ ایسا
گھرا ہوا کوئی جیسے فلک پہ بادل ہو

کسی ولی کی وصیت یہ یاد آتی ہے
سِر مزار چراغاں ہو اور نہ صندل ہو

وہ کیا مزاج حسناں کو موڑ سکتا ہے
کسی بشر میں اگر بے پناہ کس بہل ہو

اسی کے سائے میں گزرے ہیں صبح و شام تلک
ہماری لاش کا پرچم بھی سرخ آخیل ہو



کچھ اس طرح سے یاد آرہے ہو
پھر سامنے سے آ جا رہے ہو

میں ہوں شکارِ غمِ ہائے دوراں
یہ کیا عنایت فرما رہے ہو

ہونے لگا ہے احساسِ پستی
اتنی بلندی دکھلا رہے ہو

آساں سمجھتے ہو بھول جانا
کیا بھول جائیں یاد آرہے ہو

ہم تو نہیں ہیں توبہ میں شامل
ساغر اٹھاؤ، شرما رہے ہو

یہ سادگی شوق اللہ اللہ
محفل سجا کر اٹھ جا رہے ہو

مرنے نہ دے گی رعنائی غم
کیوں اہل غم سے گھبرا رہے ہو

دیکھو تماشا ساحل پہ رہ کر
ہم ڈوبتے ہیں، تم جا رہے ہو

کیا ہے ملکِ یہ وحشت تمہاری
کیا کھو گیا ہے، کیا پا رہے ہو



دل مکدر ، نظر فساد زدہ
ہو گیا گھر کا گھر فساد زدہ

روح پر مُردنی بھی چھلے گی
زندگی ہو اگر فساد زدہ

ڈھونڈتے ہیں سبیل نشوونما
کتنے ہی نامور فساد زدہ

حسنِ صورت نظر نواز سہی
رنگِ سیرت مگر فساد زدہ

کوئی انصاف ہے نہ داد رسی
آج بے بس ہے ہر فساد زدہ

ہر جگہ مُفسدوں کی بدستی
ہر جگہ معتبر فساد زدہ

لوگ لیتے ہیں امن کی سائیں
پھر فضا کو نہ کمر فساد زدہ

قاتلوں کو تمام چھوٹ ملی
چڑھ گئے دار پر فساد زدہ

گھر میں ہے جان و مال کو خطرہ
پھرتے ہیں در بدر فساد زدہ

اہل دانش نیک کہاں جائیں
فن دکھاوا، ہنر فساد زدہ



بس یہی اک وقت کا فرمان ہونا چاہیے
ہو کسی مذہب کا، پر انسان ہونا چاہیے

آپ کو جی جان سے چاہا ہے اتنا سوچ کر
جان دینے کے لیے بھی جان ہونا چاہیے

آہٹ سے ہٹ کر کوئی ارمان ہوتا ہی نہیں
آپ کہتے کون سا ارمان ہونا چاہیے

مسجدوں میں سجدہ کر لینے سے دل دھلتا نہیں
آدمی کو صاحبِ ایمان ہونا چاہیے

آپ کے سارے ستم ہیں قدر کے قابل مگر
بے وفائی کا بھی اک احسان ہونا چاہیے

کب تلک آخر ملک یہ آنسوؤں کا سلسلہ
ایک دن تو سرد یہ طوفان ہونا چاہیے

محترم جناب محبوب حسین صاحب جگر
جوائنٹ ایڈیٹر "سیاست" کی انچارج ایڈیٹر کی غزل سے متاثر ہو کر

تمہاری ہر خوشی پر مسکرائے
نہیں معلوم کتنے غم اٹھائے

نہ کھسکا شاخ نازک سے نشیمن
کئی جھونکے ، کئی طوفان آئے

بھلا یہ بھی ہے کوئی مسکرانا
مری بربادیوں پر مسکرائے

غضب کی رہبروں نے رہزنی کی
کہ منزل تک پہنچ کر لوٹ آئے

گنہ در پیش ، استغفار جبار
کہاں تک آدمی دامن بچائے

مِلکتِ عمر آپ کی پائے طوالت
زباں پر نام تھا اور آپ آئے



آپ اگر محبت کے ناز اٹھا نہیں سکتے
کیا خلوص دل سے بھی دل دکھا نہیں سکتے

وہ گرا، گرا کر بھی پھر سنبھال لیتا ہے
ہم جسے گراتے ہیں پھر اٹھا نہیں سکتے

مت ہماری حالت پر رحم کیجئے اتنا
زہرِ غم کے مارے ہیں مسکرا نہیں سکتے

رہبروں کی غفلت سے ایسے پاشکستہ ہیں
منزلیں بھلائی ہیں اور جا نہیں سکتے

انتہائے وحشت میں زندگی کی راہوں سے
ہم جہاں جہاں گزرے آپ جا نہیں سکتے

عشرتوں کے یہ جلوے ٹھیک ہیں بلکہ لیکن
سخت کی سیاہی کو راس آ نہیں سکتے



آپ سے راحت دنیا ہے مجھے
اور کچھ بھی نہیں کہنا ہے مجھے

میں بہت دُور کا اندازہ ہوں
کس نے نزدیک سے دیکھا ہے مجھے

ہوش کیوں نام نہ پوچھے میرا
بادہ نوشی کا سلیقہ ہے مجھے

میں تمنا میں تری لٹ جاؤں
بس یہی ایک تمنا ہے مجھے

بے تعلق ہوں زمانے بھر سے
رابطہ وہ آپ سے گہرا ہے مجھے

غم پرستو! مری تعظیم کرو
غم نے ہاتھوں سے سنوارا ہے مجھے

کیا ہے احساس کی شدت میری
ہر نیا درد بھی تکستا ہے مجھے

اے مہلک ہجر کی تنہائی میں
چاند تاروں نے بھی لوٹا ہے مجھے



ہر ذرّہ گلی کا تری رہ رہ کے پکار رہ
سچ یہ ہے کہ ہم مر کے بھی زندہ رہے پیارے

اک مجمعِ عشاق ترے پاس لگا ہے!
اطراف پھرے کوئی تو تن من کوئی وارے

یارب تری دنیا، یہ عجب ہے تری دنیا
پھولوں میں تلے کوئی، کوئی ہاتھ پیارے

اب اپنی زبان بند ہی رکھنا ہے مناسب
ہیں سامنے اخلاق کے، تہذیب کے مارے

مالیوس نہ ہو تلخی حالات سے لے دل
جب گردشیں بڑھتی ہیں بدلتے ہیں ستارے

جو دوست جاتے ہیں اب اخلاص و محبت
وہ دوست ہیں دراصل تمہارے نہ ہمارے

اک حُسن بھی موجود ہے، اک غم بھی ہے ظاہر
ہر شعر کو اس طرح نلک کوئی نکھارے



کوئی سنا نہ سمجھتا ہے خدا خیر کرے
دل کا افسانہ اودھورا ہے خدا خیر کرے

عاقبت کا جو زمانے کو سبق دیتا تھا
وہ بھی اب طالب دنیا ہے خدا خیر کرے

روشنی کی نظر آتی نہیں ہلکی سی کرن
دور تک ایک دھندلکا ہے خدا خیر کرے

جام پر جام چڑھانے لگے میکش پیہم
جانے کب کون بہکتا ہے خدا خیر کرے

ذکر کرتے ہیں شب و روز ہوس کا اس کا
عشق بازار کا سودا ہے خدا خیر کرے

اب ذرا گمراہی ہو کش مدد میری مدد
ڈھونڈھنے وہ مجھے نکلا ہے خدا خیر کرے

دولت اک شے ہے ملک ظرف بدلنے والی
اس سے اپنا بھی پرایا ہے خدا خیر کرے



آنکھ میں آنسو، لب پر نالے
دل کی دُنیا سوز جگالے

تیری امانت کب تک سنبھالوں
لے دولتِ غم تیرے حوالے

ٹپکتے نہیں ہیں پاؤں زمیں پر
اے درد منزل پاس بٹالے

میرے حوالے کانٹوں کا جنگل
دامن بہ دامن پھولوں کے مالے

اے آرزوے منزلِ دہائی
رونے لگے ہیں پاؤں کے چھالے

اک بار میرے نزدیک آ کر
سو بار مجھ سے دامن چھڑالے

اپنی ہی محفل، اپنا اجارہ
کوئی بگاڑے، کوئی سجالے

دل سے نکتے کے جادوگر نیکن
یاد نہ آنا جھولنے والے



سینے میں غم چھپاے سدا آپ خوش رہے
حیرت یہ ہے کہ کیسے بھلا آپ خوش رہے

اپنا دیا نہ رنگ کسی کو کسی طرح
سب سے مزاج کر کے جدا آپ خوش رہے

یہ بھی ستم ظریفی حالات ہی تو ہے
میرا سکونِ قلب کٹا آپ خوش رہے

اس میں کہاں تھی نغمہ و لے کی کوئی ادا
لے کر شکستہ سازِ وفا آپ خوش رہے

دنیا سے جی لگانا تقاضاے وقت تھا
لیکن بہ فیضِ جود و سخا آپ خوش رہے

ہم غمزدہ سہی ہمیں اس کی خبر نہ تھی
لیکن ہمیں تھا اس کا پتہ آپ خوش رہے

جو کچھ نکت پہ بیت گئی بیت ہی گئی
اس کو تباہ کر کے بھی کیا آپ خوش رہے

مومن کی شان یہ ہے مجاہد بھی بن رہے
شمشیر ہاتھ میں رہے، سر پہ کفن رہے

میں میں ہوں، آپ آپ ہیں رہنے بھی دیکھئے
چال آپ کی چلوں تو نہ میرا چلن رہے

اہل چین سے پوچھیے کچھ اس کا حال بھی
ہم بھلیوں کی چھاؤں میں کتنے مگن رہے

خود زندگی بھی ناز کرے اپنے آپ پر
اتنا تو زندگی میں مرے باتیکن رہے

سب رائیگاں ہے سادہ دلی کا مظاہرہ
فطرت میں دوستوں کی اگر مکر و فن رہے

حسنِ عمل ہی صرف ہے سامانِ جاوداں
دنیا رہے، حیات رہے اور نہ دھن رہے

حبِ وطن سے زیست جو معمور ہے ملکِ
اپنا مزار بھی سرِ خاکِ وطن رہے



خاص جینے کی اک ادا رکھیے
صاف سیدھا چلن روا رکھیے

ہوش مندی سے واسطہ رکھیے
اپنے معیار کو بڑا رکھیے

دشمنی ہو تو احتیاط ایٹھی
دوستی ہو تو فاصلہ رکھیے

اُن کو پانی ہوا سے کیا مطلب
سوکھے پیڑوں کو کیا ہرا رکھیے

خط ملا اُس بہارِ پیکر کا
خوشبوؤں میں اُسے بسا رکھیے

غم نہیں ملتا ناتوانوں کو
غم اٹھانے کا حوصلہ رکھیے

ہم غریبوں کے حال میں شامل
کم سے کم آپ کی دُعا رکھیے

اے ملکِ کون جانے آجائے
دل کے دروازے کو کھلا رکھیے



رعبِ حسنِ آپ کا وہ زود اثر لگتا ہے
بات کہتے ہوئے دل کی مجھے ڈر لگتا ہے

آرزو ہے کوئی اس میں، نہ تمنا اس میں
دل یہ کیا ہے کوئی سنان کھنڈر لگتا ہے

آپ کی یاد نہیں چین سے سونے دیتی
آپ آ جلتے ہیں تکیے سے جو سر لگتا ہے

منع کیوں کہتے ہو گھر آنے سے اپنے آخر
ذہن کے سارے حیرتوں سے یہ در لگتا ہے

یہ مرا دل ہے کہ ہمدم ! کوئی بنجر صحرا
پھول اس شاخ پہ لگتا، نہ ثمر لگتا ہے

آپ کے در پہ کوئی آ کے کھڑا ہے کب سے
دیکھئے یہ کوئی محتاجِ نظر لگتا ہے

باندھ کر چلتے عدم تو شہِ اعمالِ مملکت
ہر سفر کے لیے سامانِ سفر لگتا ہے

نہ دوستی میں نہ گھر میں خلوص ملتا ہے
کسی کسی کی نظر میں خلوص ملتا ہے

تمام خط سے سکونِ دلی نہیں ملتا
بس اک حسین سطر میں خلوص ملتا ہے

سمجھ میں آئی نہ ہرگز تمہاری پہلی نظر
لگاہِ بارِ دگر میں خلوص ملتا ہے

عجیب ہے یہ کرشمہ خدا کی قدرت کا
کہ ایک صاحبِ زر میں خلوص ملتا ہے

اسی لئے تو یہیں پہر ہی سارے دیو الے
تمہاری راہِ گزر میں خلوص ملتا ہے

پسند آئی نہ اہلِ خسرد کی دانائی !
جنونِ خاکِ بسر میں خلوص ملتا ہے

فلکِ ہمارا گزر بھی تو اس جگہ ہوگا
جہاں بھی اہلِ ہنر میں خلوص ملتا ہے

کم نہیں ہوتا خدا سے جو عطا ہوتا ہے
کس کا احسان کسی کے لیے کیا ہوتا ہے

اس کے مرجھانے کو انسان نہیں سہہ سکتا
پھول کے کھلنے کا انداز بھلا ہوتا ہے

کوئی انجام عمل سے نہیں ہوتا واقف
فیصلہ وقت کے ماتھے پہ لکھا ہوتا ہے

یاد میری بھی کسی طور سے آتی ہوگی
تیری محفل کا جہاں رنگ جما ہوتا ہے

غم اٹھانے کے بھی آداب ہوا کرتے ہیں
یہ فریضہ بڑی مشکل سے ادا ہوتا ہے

پڑھنے والے نہیں یہ بات الگ ہے لیکن
درد کا حال تو چہرے پہ لکھا ہوتا ہے

دل بچانے کی نلکے مات نہیں بن سکتی
یہ گرفتار تو بے جرم و خطا ہوتا ہے



سامنے کھل کر آ رہی گیا ہے
کس کس کی فطرت میں وفا ہے

شاخ پہ کوئی غنچہ کھلا ہے
پھول مگر کیوں کانپ رہا ہے

اپنے مرض کی جان سے نسبت
کوئی میچا ہے، نہ دوا ہے

دل کا ہمارے حال نہ پوچھو
شہر تو ہے ویران پڑا ہے

دیکھئے دھو کر دل کی سیاہی
نور میں اک اک شجر ڈھلا ہے

ہم پہ ہیں وہ کچھ روز سے برہم
جرمِ محبت کی یہ سزا ہے

اپنے ہی قد کو جس نے نہ سمجھا
فن کو یلک کے ناپ رہا ہے

وفا کا امتحاں اب آچکا ہے
یہ جان و دل کا میرے مرحلہ ہے

کوئی بچھڑے، کوئی آنسو بہائے
محبت میں یہی دیکھا گیا ہے

ابھی ہیں مرحلے کچھ امتحاں کے
شکتِ دل کی یہ پہلی صدا ہے

خوشی ہو، غم ہو، یا رنج و مسرت
مجھے جو کچھ ملا تجھ سے ملا ہے

زمانہ بلی میں اک کروٹ بدل کر
تماشے نیت نئے دکھلا رہا ہے

نہیں رہبر ترا احسان لینا
مرا رستہ الگ، منزل جدا ہے

مملکت جائیں کہاں اب پاک باطن
ہوس پزور زمانے کی فضا ہے



مَروِش ہماری کہاں اور کدھر زمانہ ہے
ہمیں بڑے ہیں بہت معتبر زمانہ ہے

قدم قدم پہ فریب اور قدم قدم دھوکے
سنبھل کے چلے بہت پر خطر زمانہ ہے

اسی لیے تو بصد احتیاط جیتے ہیں
ڈرے ہوئے ہیں ذرا ہم نڈر زمانہ ہے

ہزار مرتے ہیں دُنیا میں چلتی ہے دُنیا
نہ کوئی فرق نہ زیر و زبر زمانہ ہے

بھلائی کا بھی کوئی نقش چھوڑتے جاؤ
کہ زندگی کا تو اک مختصر زمانہ ہے

حیات لے سکے جس میں سکون کی سائیں
ابھی کہاں، وہ ابھی دُور تر زمانہ ہے

بیک لیاقتِ حاصل دکھاؤ گے کس کو؟
کہ اب دشمنِ اہلِ ہنر زمانہ ہے



جہاں کہیں یہ بھی ذکر بہار آیا ہے
ترا خیال مجھے بار بار آیا ہے

دیتے ہیں جس نے ہر اک گام پر فریب نئے
عجیب بات ہے اس پر ہی پیار آیا ہے

نظر اٹھا کے ادھر دیکھ محو بزم طرب
بڑی خوشی سے ترا سو گوار آیا ہے

خمار تشنگی زیت ہی سہی لیکن
حضور ساقی محفل خمار آیا ہے

قدم قدم پہ جو جلتے ہیں آنسوؤں کے چراغ
ترا خیال سر رہ گزار آیا ہے

تمہیں بھلانے کی کوشش بھی کر نہیں سکتا
کہ تم پہ دل بھی تو بے اختیار آیا ہے

بہاروں کے بھی قدم لڑکھڑا رہے ہیں ملک
وہ شوخ کمرے جو سولہ سنگھار آیا ہے



سکوں زاہد کو اب پیہم نہیں ہے
ترے پانزیب کی چھم چھم نہیں ہے

امانت کی طرح رکھوں گا دل میں
ترا غم ہے، یہ میرا غم نہیں ہے

کہاں جاتے ہیں سارے دم کے ساتھی
دمِ آخر کوئی ہمدم نہیں ہے

یہ منظر کیا پسِ منظر بھی دیکھے
نظر کا ایک ہی عالم نہیں ہے

ذرا سہہ لو تو میٹھی بھی بنے گی
زباں کڑوی ہے لیکن سم نہیں ہے

مسافر کیوں نہیں بڑھتے ہیں آگے
عزائم میں تو زیر و بم نہیں ہے

نکلتے دنیا کو پھر بھی دیکھتا ہوں
مرے قبضے میں جامِ جم نہیں ہے



کیا نام دوں تجھ کو یہ مجھے فکر پڑی ہے
ہر تازہ ہوا نام ترا پوچھ پڑی ہے

منزل کا کوئی خوف ، نہ غزل کی کمی ہے
ہم جس جگہ پہنچے ہیں نئی راہ بنتی ہے

دیوانے ہوئے جاتے ہیں ہم دیکھ کے اس کو
شاید ترے چہرے میں کوئی بات نئی ہے

افلاس کی ، نکبت کی ، شر و شور کی ، غم کی
جیتا ہوں میں جس میں بڑی بدنام صدی ہے

سرتا بہ قدم دیکھئے ہستی بھی ہے پیاسی
کیا خشک لبوں تک ہی فقط تشنہ لبی ہے

آپ اپنے سے انصاف بھی ہم کہہ نہیں سکتے
اسحاق ملک ہم میں کمی ہے تو یہی ہے



ہیں لوگ یہاں کے تو بڑے گھاگ مرے بھائی
اس شہر سے اب دور نہیں بھاگ مرے بھائی

بھوڑیں گے نہ تجھ کو ترے احساس کے شعلے
یوں غیر کے گھر کو نہ لگا آگ مرے بھائی

یہ تک نہ کہا تجھ سے ہے کس درجہ لگاؤٹ
اس باب میں ہم کتنے ہیں بے لاگ مرے بھائی

جب وصل کے لمحوں میں تجھے ہوش نہ آیا
اب، بھر کی راتیں ہیں تو پھر جاگ مرے بھائی

دو گھونٹ بھی مشکل سے اُتارے ہیں نلکا نے
بوتل کو لگانا نہ ابھی کاگ مرے بھائی



تائب گویانی گئی ، طاقت دیدار گری
تو نہ آیا تو بہت حالت بیمار گری

گھر مرا صرف دُعاؤں کے تصدق سے بچا
کڑکڑاتی ہوتی بجلی پس دیوار گری

فائدہ مند ہوا خود مرا برسوں کا سکوت
میرا کچھ بھی نہ گیا عزتِ اغیار گری

ہوش قاتل کے اُڑے آہ سے مظلوموں کی
تھر تھراتے ہوئے ہاتھوں سے جو تلوار گری

سامنے مرے گرے جاہل مطلق کتنے
میں گرا اور نہ مری قیمتِ اشعار گری

نسلِ نو کے ہوئے گمراہ خیالاتِ بِلک
آج کے دور میں ہر وضعِ طرہ دار گری

اب جو میخانے سے نسبت ہوگئی
میکشی بڑھ کر سعادت ہوگئی

آپ بے کھٹکے مصیبت لائے
اب تو غم سہنے کی عادت ہوگئی

لوگ کرتے ہیں مرا ہی تذکرہ
محترم تیری عداوت ہوگئی

آپ کا اک عکس جلوہ مرچیا
آئینے کو آج حیرت ہوگئی

جیتے جی آیا نہ جینے کا مزہ
موت اک زندہ حقیقت ہوگئی

مسکرا کر آپ نے دیکھا مجھے
آج کچھ جینے کی صورت ہوگئی

دل تڑپنے کا بہانہ تھا ملک
خود وہ آہنیچے کرامت ہوگئی

... وقارِ سرسید

بے خزاں ہے بہارِ سرسید
 آج تک ہے وقارِ سرسید
 ناز کرتی ہے لیلیٰ اردو
 محسنوں میں شمارِ سرسید
 نام ان کا ہے ساری دنیا میں
 ساری دنیا دیارِ سرسید
 ہٹ سکیں گی نہ معتبر آنکھیں
 زندہ ہے اعتبارِ سرسید
 قوم و ملت کی پاسبانی کو
 مضطرب تھا قرارِ سرسید
 کون تھا جو نہیں تھا گردیدہ
 تھی فضا ساز گارِ سرسید
 گلشنِ ہند میں چھکتا تھا
 عندلیبِ وقارِ سرسید

سب بصدِ اشتیاق بڑھتے تھے
 تھا گزٹا شاہکارِ سرسید
 یاد آئے گا اہل دانش کو
 کون بھولے گا کارِ سرسید
 اے ملک کیا دماغ تھا اُن کا
 علم و حکمت، نثارِ سرسید

ہمسفر کے نام

آنکھ آنکھ آرزو
 بات، فکر، زندگی
 جس میں ڈوبتا گیا
 سفر، تھکن، نشاط، قرب
 فاصلوں کی تشنگی —
 نظرِ نظر میں آرزو کے ریشمی سے پھول
 گفتگو کی لہر مسکراہٹیں
 مسافتوں کے درمیان رفاقتوں کے سلسلے
 اشارۃً، کنایتہً
 دل سے دل کی قربتیں
 وہ حادثہ جو اتنا خوشگوار تھا
 تیرگی کی راہ میں مرا وجود بن گیا

آہ مولانا آزاد

وہ مولانا جمالِ حق

وہ آزاد خیالِ حق

جنہیں ذہن و نگاہ و فکر کی کامل ضیاء کیے

جنہیں اک جنگِ آزادی کا سچا رہنما کیے

جہاں تھا علمِ بے پایہ

کلامِ بوالکلام آیا

جہاں بیچارگی تھی اُس جگہ غم تھا خدائی کا

سیاست سے الگ کردار تھا خود آشنائی کا

مگر سب سے جدا تھے وہ

بڑے با حوصلہ تھے وہ

رکاوٹِ پائی جب صدق و صفا کی تنگ راہوں پر

تو کچھ صفحاتِ بعد از مرگ کھولے کم لگا ہوں پر

حقیقت ہو گئی ششدر

وہ گوشے آئے منظر پر

کہاں جمہوریت گم تھی، کہاں گُنِ نازیت کے تھے

اُنھے سب یک بیگ جتنے بھی پردے مصلحت کے

وہ اہلِ فکر تھے اُن تھک

وہ فخر ہند تھے بے شک

دُعا

(اقبالِ حرف و معنی کی دُعا)

اس کی نوا تہذیبِ عصر
 اس کا سُخنِ ظلمت میں جیسے روشنی
 ذہنِ رِسا انسانیت کی سر بلندی
 فلسفہ رینہ خودی حُسنِ شمل
 آگہی، پرواز، ہفت افلاک آدم کا سفر
 اقبالِ مشرق کا اثاثہ
 صبح کی شفاف کمرلوں کی مہک
 زندگی، تابندگی، رقصندگی
 روشنی ہی روشنی، انسانیت کی تازگی
 اس صدی سے تا صدی وہ حرف و معنی کی دُعا

آہ فیض...

فیض اپنے کسی درد کو بے فیض سمجھ کر
آہستہ سے چیخا تو جہاں کانپ اٹھا تھا
آواز عجب تھی !

خود فکر و نظر ڈھونڈنے نکلے وہ صدا تھی
کیا ذہن تھا، کیا بات تھی، کیا طرزِ ادا تھی
پیرِ جوشِ جنوں تھا

رودادِ شبِ ہجر کی یا وصل کا قصہ
مئے کا ہو کوئی باب کہ غم کا کوئی حصہ
سمجھایا سلجھ کر

آلجھا ہوا اک شخص زمانے کی فضا سے
شیرِ نی کھرچتا ہوا ہر تلخ دوا سے
گھر میں بھی تھا بے گھر
آزاد منش ہو کے بھی وہ شخص تھا پابند
شہرت کی ہوا راس، زمانے کی ہوا بند

اب ہم میں نہیں وہ !

لیکن ابھی دنیا میں شب و روز ہیں جب تک
اس شخص کا نام اور لیا جائے گا تب تک

قرۃ العین حیدر کے نام

(گیان پیٹھ ایوارڈ ملنے پر —)

باعثِ افتخارِ ملت ہے
 قرۃ العین، عینِ عظمت ہے
 صلہٴ سعیٰ کامیاب ملا
 گیان پیٹھ آپ کو خطاب ملا
 ہند سے بڑھ کے تا بہ بڑ صغیر
 آپ کی، شہرتیں ہیں عالم گیر
 تجربہ واقفِ نشیب و فراز
 نادلوں میں ہے منفرد انداز
 علم و دانش کے نامور جلگے
 دیر سے ہی سہی مگر جاگے
 تھا قلم کب سے برسرِ پیکار
 جہدِ پیہم نہیں گیا بیکار
 جب نہ تحریر کا فسون جاگا
 سامنے آیا ”آگ کا دریا“
 پھر اثر تھا سفینۂ غمِ دل
 باہر آیا خزانہٴ غمِ دل

کوئی ناول ہو، کوئی افسانہ،
ہے عیاں شوکت ادیبانہ
یہ پذیرائی تھی قرین لقیں
کارنامے ہیں لائق تحسین!

خواب کا دھندلکا

وہ شب بھی تھی کتنی سہانی
حسن سراپا

غزالہ آنکھیں / بلوریں گردن
مہکتے شانے

چال قیامت

جھانجھن کی لے

کانوں کی سنگیت کا جادو

گھول رہی تھی

دل کی رگ رگ جھوم رہی تھی

لیکن جس دم میں نے اپنی

آنکھیں کھولیں —!

کمرے میں ہر سمت دھواں تھا

بس سناٹا اونگھ رہا تھا

کاش میں خواب ہی دیکھا کرتا — !!

وہ کہاں کھو گیا؟

(مخدوم محی الدین کی یاد میں ...)

نیک خو، بامروت، جیالا، نڈر
 شاعر خوش بیاں، قائدِ بااثر
 چہرہ نورِ صداقت سے کھلتا ہوا
 اک تبسم، تکلم سے ملتا ہوا
 زندگی کو سمجھتا تھا وہ نکتہ داں
 موتیوں کی لڑی، رنگِ گل کا بیاں
 دردِ ماحول اُس سے نہ پوشیدہ تھا
 وضعدار و ملنار و سنجیدہ تھا
 زندگی تھی کہ ایثار کی داستاں
 نامِ مخدوم، خدمت گزارِ جہاں
 چاند تاروں کے بن میں کہاں کھو گیا
 یا چنبیلی کے منڈوے تلے سو گیا

آہ وہ شاذ کہاں؟

(شاذ تمکنت کی یاد میں)

شاذ وہ شاذ کہاں

وہ نقیب غیم جاں

وضع میں خاص، تب و تاب میں یکتا انساں

زیست کے موڑ پہ چپ چاپ سا ٹھہرا انساں

حائل جذب و اثر

موج در موج نظر

شاذ وہ شاذ جسے بزم سے گھن آتی تھی

شاذ وہ شاذ جسے دُور کی شے بھاتی تھی

قابل مدح و ثنا

اک آنا پیش آنا!

کوئی ناٹک، نہ ڈراما، نہ کوئی تھی وہ فلم

ایک مینارہ علم، ایک نمائندہ حلم

اُس کو جانا نہ کوئی

اُس کو سمجھا نہ کوئی

اُس نے وہ نقش بنائے ہیں کہ مٹنا مشکل

اور پٹ جائیں گے شاہین کا پٹنا مشکل

لایق غور تھا وہ

آپ اک دور تھا وہ

اپنی شیرینی فطرت کو بھی زہراب کیا
 غرقِ مئے ہو کے ہر اک درد کو غرقاب کیا
 ڈھونڈھ بد بخت جہاں
 آہ! وہ شاذ کہاں

عید اور مسائل

عید، باد صبا، چاندنی، نغمگی
 روزہ داروں کے حق میں دُعا، سرخوشی
 رحمت بیکراں

اور جب اس کا مفہوم بد لا گیا

ہر دفعہ عید پر
 لوگ الجھے ملے، مضمحل، غم زدہ
 یوں خوشی میں غموں کی تلاوٹ ہوئی
 عید نزدیک آئی گئی جس گھڑی
 قلب اور ذہن کو اک تھکاوٹ ہوئی
 خواہشوں نے پھوٹا ہے ایمان کو!
 روح کی تازگی بے صدا ہو گئی
 اور پھر عید اک مسئلہ ہو گئی

آہ خواجہ احمد عباس !

یہ کون آیا ہے یادوں تک
یہ کس کا ذکر نکلا ہے
وہ بحرِ علم و دانش کا گہرُ تھا
جسے کھویا ہے ہم نے
اُسے پابندیاں، حد بندیاں بے چین کرتی تھیں
بہاریں اس کے طرزِ فکر میں، سو رنگ بھرتی تھیں
وہ اک جادو جگاتا تھا
نگارش جس پہ حیراں تھی
اُسے ہم خواجہ عباس کہہ کر نام لیتے تھے
وہ تھا اک پیکرِ عظمت
وہ تھا اک ملک کی دولت
اُسے ہر شعبہٴ صنفِ ادب سے آشنائی تھی
کہانی، ناول، افسانوں، سے فلموں تک رسائی تھی
قلم آزاد تھا جس کا
نظر بے لوث تھی جس کی
وہ ہم میں اب نہیں لیکن اُسے ہم یاد رکھیں گے
ادب کے باغباں اس کو سدا آباد رکھیں گے

رہے گارنگ میخانہ جہاں تک نام ساقی ہے
 دعائیں ساتھ ہوں تو زندگی آگے بھی باقی ہے
 اندھیرے آئیں جائیں مجھے
 سویرے جگمگائیں گے



قطعہ

شری راج بہادر گوڑ کی نذر ...
 (بہادر شاہ ظفر الیوارڈ ملنے پر)

ظفر الیوارڈ دیا عز و جاہ و منصب نے
 بہادری سے کیا راج گوڑ صاحب نے
 کمالِ حسن ہزاروں دلوں کو موہ لیا
 ادب کی خدمت و شائستگی کے اک ڈھب نے

تحسین و آفرینِ دلپس کمار

(پیدما بھوشن کا خطاب ملنے پر...)

یہ حُسنِ ذوقِ سفر، بے پناہ یہ آغاز
 'جوار بھاتا' سے 'میلہ'، 'شہید' اور 'انداز'
 'الو کھاپیاز' سے 'دیدار' و 'آن' تک پہنچا
 ہر ایک فلم نئی آن بان تک پہنچا
 یہ انتہائے جمال و جلال آگاہی
 ہر ایک رول میں جذبات کی شہنشاہی
 دلپس عظمتِ شائستگی کا حامی ہے
 کہ لپکٹنگ میں کچھ عیب ہے نہ خامی ہے
 دلپس درد کو ظاہر کرے تو ہو حیرت
 دلپس غم جو دکھائے تو رو پڑے فطرت
 دلپس وضع میں مٹنہ بولتی حقیقت ہے
 دلپس یوسف ثانی ہے خوبصورت ہے
 نہ سادگی میں دکھاوا نہ بانکپن میں کمی
 لباس و رنگ و وجاہت میں بے گماں خوبی

نظر ملے تو نظر دیکھتی ہی رہ جائے
 زباں سے پھول جھڑیں گفتگو پہ جب آئے
 اک امتیاز نمایاں ہے فطرتی فن سے
 صلاحیت ہے بڑی جس کی ڈائریکشن سے
 مقدرات ستاروں سے بڑھ کر ہیں روشن
 اسی لیے تو یہ رتبہ ملا پدم بھوشن

دھواں دھواں نقشے



غریب لوگ، سخی ہاتھ، بے طلب آنکھیں
 مجھے مجھے کئی منظر
 دھواں دھواں نقشے

سڑک پہ رینگتے سائے تلاش کرتے ہیں
 برہنہ جسم آداسی کا پیرہن اوڑھے۔!
 اماں ملے تو یہ کشکول بیخ دیں اپنا
 کوئی بتائے کدھر ہے فقیہ شہرِ ستم

آہ نرگس^{۹۷}

”زینہ بہ زینہ سیرتِ زن کھولتی گئی“

بلبل اُداس اُداس، چمن ہوش کھوئے ہن
 نرگس کے غم میں نرگس شہلا بھی روئے ہے
 نرگس تھی سوز و ساز کی لے اور تان تھی
 نرگس تھی گھر کی آن بھی، فلموں کی جان تھی
 نرگس وطن پرست و وطن دوست رہنا
 نرگس ادا شناس و ادا کار و پُر ادا
 ”تقدیر“ بن گئی تو گل ”آرزو“ کھلا
 محبوب کو خود اپنی تجسس کا پھل ملا
 بامِ عروج مل گیا ”برسات“ کیا بنی!
 ہنچل سی مچ گئی جو ”درا ندیا“ بنی!
 اک ایک فلمِ عظمتِ فن کھولتی گئی!
 زینہ بہ زینہ سیرتِ فن کھولتی گئی!
 نرگس کا اک وجود تھا بے مثل و بے بدل
 نرگس سنیل دت کے تھی خوابوں کا اک محل
 انساں کے دسترس میں نہیں موت کا چلن
 موڑا نہ جس نے خدمتِ اہلِ وطن سے مُنہ
 اُس نے پھرا لیا ہے خود اپنے چمن سے مُنہ

نغمہ زندہ ہے...

(بیگم اختر کی یاد میں)

وہ نغمہ زندگی نے جس کو چاہا

اب بھی زندہ ہے

صدا کی روشنی تابندگی کا اک تسلسل ہے

اسے احساس کے زینے پہ اب بھی جاوداں دیکھو

ترنم ، نغمگی ، لہجہ ، گھلاوٹ

صنوبر کی سنہری شام

جھرنوں کا تبسم

بہاروں کی سبک گامی

اسے تنہا سلگتی شام میں دل کے قریں پاؤ

وہ نغمہ مر نہیں سکتا ، وہ نغمہ اب بھی زندہ ہے

وہ نغمہ زندگی نے جس کو چاہا کل بھی تابندہ رہے گا۔

شب کی بانہوں میں

ایک غم ناک شب
 تیرگی کے غباروں میں لیٹی ہوئی
 ہر طرف موت کا ایک
 سناٹا پھیلا رہی تھی
 راستے سوچکے تھے
 قہقہے جاگتے تھے
 اور فٹ پاتھ پر —
 سرد بے جان ڈھانچے
 کیکلیاتے ہوئے
 نیند کو اپنی آواز
 دینے سے سہمے ہوئے تھے۔ !!
 تیرگی اپنے کالے ہیں
 دھوئیں میں اُن گنت زخم رستے
 ہوئے ڈھانپتے بڑھ رہی تھی
 میں — مگر

اک فلک۔ بوسِ غمارت کی کھڑکی
 سے چھفتی ہوئی روشنی تک رہا تھا
 اک شگفتہ کلی —
 اپنے بھونرے کی بانہوں میں سمٹی ہوئی تھی
 ایسے کہتے ہی بھونرے ملے
 رات ڈھلنے سے پہلے
 جو غنچوں کا رَس چوستے تھے

سایہ

کچے مکانوں والا وہ چھوٹا سا محلہ
 نحیف دیواروں کا مکان
 ہر لمحہ خاموشی
 کوئی چراغ جلتا ہے نہ بجھتا
 ہاں — !!
 قدموں کی مدھم چاپ سنی
 ایک پیرا سرادِ سایہ ہر قدم منڈلائے
 درد بھرا اک گیت سنائے
 وہ سایہ — !!!

کشکول

ریخ زدہ سرد ماحول میں
ایک وحشت نمایاں ہے فٹ پاتھ پر
جس کے ہاتھوں میں کشکول
بے نور آنکھوں میں الجھن کی رو
تشنگی بے سمندر — !
بے بصر سماعتیں

رُست جو نہکے تو صحرا میں بھی گلنار ہو
روشنی اور پھیلے سویرا لگے — !!

احساس

سرد ماحول سے
وحشت سی ہو رہی ہے
فٹ پاتھ کی عریانیت
کھڑی بھیک مانگ رہی ہے
اور وہ —

احساس کے دروازے پر
کھڑا اونگھ رہا ہے

کرب و احساس

کرب کیا چیز ہے

احساس کسے کہتے ہیں

میں نے اک پھول کی پرتوں کو چٹختے دیکھا
کچھ پرندوں کو کہیں سر کو پٹختے دیکھا
آس میں یا اس بھی ہے

بوند بھر پیاس بھی ہے

بھولتے پھلتے چمن میں بھی نہیں رنگ چمن
بڑھنے دیتی نہیں مالوس مسافر کی تھکن
کچھ سکوں ہے نہ کمک

بس تغیر کی کسک

ایک انساں کئی صدیوں کو نہیں سہہ سکتا
خون رگ رگ سے سے بھی تو نہیں کہہ سکتا
پھر کوئی حل بھی نہیں

زندگی گم ہے کہیں

جب بھی شنوائی نہ ہو حشر یہ ہو جاتا ہے
اضطراب اپنا کفن اوڑھ کے سو جاتا ہے

کوئی گوہر نہ صدف
بحر ہیں چار طرف
کتنے دل پیکر ہستی میں نہیں ڈھلتے ہیں
کرب و احساس اگر مل کے نہیں چلتے ہیں

▲▲

تمنا کا فسانہ ...

حالات کے پتھر اڑ میں آنچل نہ بھٹے
اخلاص نہ رسوا ہو، رفاقت نہ چلے
جب تیری نگلی سے میں گزرتا ہوں تو اکثر
یہ سوچ کے غمگین ہوا جاتا ہوں
لوگوں میں شرافت نہ مہک پیار نہ خوشبو
ہر چہرہ کسی چہرے کا اک قرض ہو جیسے
حالات بدل جائیں، شفا پائے زمانہ
تاریخ لکھے پھر سے تمنا کا فسانہ

▲▲

نیلام

سورج کی کرنوں

میں ہر دم --- !

تاریکی کی لہریں ہوں گی

خوشبو کی دہلیز پہ یگ یگ

رقصاں غم کے سائے چھوئے گئے

جب تک کالے بھوت میں زندہ

جسموں کا نیلام رہے گا

کام یہ صبح و شام رہے گا۔ !!

نیا سال

زمین کی پیچ سے

انسانوں کے دل دہل گئے

پیچ میں !

اک التجا، اک کرب، اک اشارہ تھا

ابھی وقت ہے۔ !!

گناہوں سے توبہ کر لو

اور پھر۔ !!!

نئے سال کا استقبال کرو۔ !!!

مزدور

(یکم مئی کے موقع پر)

یہ کوئی عیش و طرب اور نہ سکون و راحت
 تیری تقدیر میں لکھی ہے مسلسل محنت
 یہ کڑی دھوپ میں تپستی ہوئی اُن تھک شکست
 کبھی دو وقت کی روٹی بھی نہیں مل سکتی
 محل تعمیر کرے خون پسینہ دے کر
 رات دن کام کرے چند ٹکے لے لے کر
 وقت کیسا ہی ہو، کتنے ہی ہوں حالات کڑے
 زندگانی کی لڑائی کو خموشی سے لڑے
 یہ وہ انسان ہے جسے بے بس و مجبور سمجھیں
 دُور ہو جس سے مزا ہم اُسے مزدور کہیں

میرا ہندوستان

ترقی کی نئی راہوں پہ خندہ زن

محبت اور محنت کے پیامی

سویرے کے مسافر

امنِ عالم اپنا مسک اور ایمان

ہمیں گاندھی نے اور نہرو نے وہ راہیں

دکھائی ہیں

کہ جن راہوں پہ ہر دم قافلہ صبح بہاراں کا

چلا کرتا ہے خرّم شادماں دانش کی منزل تک

میرا ہندوستان

روئے نگارِ بزمِ ہستی ہے

میرا ہندوستان — !!!

سچ مح ہمالہ کی بلندی ہے ۔

ایک

گیت اب
جشنِ جمہور
ایک ہو کر

اپنی منزل و اپ
بیڑیاں کٹ گئیں غلامی
بدلیاں چھٹ گئیں غلامی کی
جگمگایا جو وقت کا سورج
ظلمتیں ہٹ گئیں غلامی کی
ہم نہیں اب کسی طرح محتاج
سامراجی گئے ، ہے اپنا راج
بل ، ملا کر چلیں ، بڑھیں آگے
اپنے ہاتھوں ہے ہند کی اب لاج
ہم ہیں بھارت کے نامور فرزند
ہم ہیں دستورِ ہند کے پاپند
ہم کو رہنا ہے متحد ہو کر
ہم ہی کھائیں گے پیار کی سوگند

امر نہرو، امر طاقت

(صد سالہ صدی کے موقع پر.....)

وقارِ عزم بے پایاں

شکوہِ ہوسِ انسانی

وہ تھا ذہنِ رسا کا اک مجاہد

وہ نہرو

وہ نہرو جس نے آزادی کے سارے بھید سمجھائے

وہ نہرو جس نے انگریزوں کے تار و پود بکھرائے

وہی نہرو جیالا تھا

اجالا ہند کے تڑپ کا

جسے تاریخ صدیوں بھولنا چاہے نہ بھولے گی

یہ اک روشن حقیقت ہے

یہ اک ظاہر صداقت ہے

نشانِ راہِ منزل کا تعین کر دیا اُس نے

نئے بھارت کے تن میں اک نیا دم بھر دیا اُس نے

امر یہ شان، یہ عظمت

امر نہرو، امر طاقت

امر ہے اندرا...

یہ سب ذہنوں کے مفلس ہیں
 یہ اُلٹی سوچ کے انساں !
 جو قتل و خون کر کے سینہ تانے
 سمجھتے ہیں
 کہ ہم نے اس کو، اس کو اس جہاں سے ہی ہٹا ڈالا
 اک افسانے کو آگے بڑھنے سے پہلے ہٹا ڈالا
 مگر یہ عقل کے اندھے
 یہ دشمن ہوش و دانش کے
 شعورِ نچتے سے گزرے ہوئے، ادراک سے عاری
 انھیں یہ کون بتلائیے
 انھیں یہ کون سمجھائے
 مقامِ عظمت و شوکت کسی کا کھو نہیں سکتا
 کہ اک کردارِ ستھرا قتل ہرگز ہو نہیں سکتا
 نہ جیب و آستین تر کہ
 امر ہے اندرا مر کہ

امر ہے راجیو گاندھی

کسی سے کون کمتر، کیا تفوق
 الکشی کا تشدد سے تعلق؟
 سبق۔ جمہوریت کا ہے یہ ناداں
 جو دل جیتے دہی ہے مردِ میداں
 یہ ننگ آبرو و احساس پستی
 حصول اقتدار اور اتنی مستی
 چلے گی قتل و غول کی کب سیاست
 عوام اس کی نہیں دیں گے اجازت
 فریب و نمکر کب چلتا ہے اتنا
 نراج و راج میں ہے فرق کتنا
 عناصر ہوں تو پھر سے جڑ سکے گی
 صداقت کی نہ گردن اڑ سکے گی
 جھلس کر جسم کو پگھلا رہے گا
 مگر کردار کا ڈھانچہ نہ ہے گا
 اب آگے اک نئے طوفاں کا ڈر ہے
 امر ہے راجیو گاندھی امر ہے

مرحبا پی۔سی۔سرکار (جونیر)

سحر سرکار اتنے کس بل کا
 زور بنگال پیڑ گیا ہلکا
 ذکر اُن کا ہے ذکر پیہم میں
 نام اُن کا ہے سارے عالم میں
 یہ کمالات وہ دکھاتے ہیں
 ہوش مندوں کے ہوش جلاتے ہیں
 ایک سے ایک لا جواب ایٹم
 کہیے ایٹم انہیں کہ ایٹم بم
 اُن کے والد تھے سینئر سرکار
 جن سے فن سیکھ کر ہوئے تیار
 فن ہے اور فن کے ساتھ ٹکنک بھی
 رقص بھی، روشنی بھی، میوزک بھی
 پی۔سی۔سرکار امتیاز ہیں جب
 او۔ڈی۔کھنہ کا اہتمام ہے سب
 جے شری اہلیہ ہیں گھر میں بھی
 ہیں شریک سفر ہنسر میں بھی

منیکا، موہانی ہوں یا ممتاز
 اُن پہ بھی شعبدوں کے در ہیں باز
 یہ پر یوار جس جگہ جائے
 ہر جگہ اپنی شان دکھلائے
 دیکھتے والا اپنے آپ ہو رنگ
 ایک اسٹیج پر ہزار ہیں رنگ
 دیپ "پردیپ" کے جو جلتے ہیں
 چاند تارے بھی ہاتھ ملتے ہیں
 اُن کا انداز دست و پا دلکش
 ان کی ہر ہر ادا، صدا دلکش
 ملک و بیرون ملک چمچا ہے
 "اندرا جال" کا کرشمہ ہے
 یہ جہاں بھی ہیں کامیاب رہے
 فضل مولا سے فیضاب رہے

اے مملکت ہم تو ان کو مان گئے
 جان کتنی ہے فن میں جان گئے